العصر ریسرچ جرنل

AL-ASR Research Journal

Publisher: Al-Asr Research Centre, Punjab Pakistan
E-ISSN 2708-2566 P-ISSN2708-8786
Vol.02, Issue 03 (July-September) 2022
HEC Category "Y"
https://alasr.com.pk/ojs3308/index.php/alasar/index

Title Detail

Urdu/Arabic: ملکِ شام کا موجودہ بحران اور مسلکی و فرقہ وارانہ اختلافات: اسباب و اثرات کا جائزہ

English: **Current Crisis of Syria and Religious and Communal Differences, Analysis of causes and Motivations**

Author Detail

1. Qavi Ullah
PhD Scholar
National university of Modern languages Islamabad,
Email: qaviullahkhan1@gmail.com

2. Zeeshan Rais khattak
PhD Scholar
national University of Modern Languages,
Email: zeeshanraees2002@yahoo.com

How to cite:
Qavi Ullah, and Zeeshan Rais khattak. 2022. " ملکِ شام کا موجودہ بحران اور مسلکی و فرقہ وارانہ اختلافات: اسباب و اثرات کا جائزہ: Current Crisis of Syria and Religious and Communal Differences, Analysis of Causes and Motivations". AL- ASAR Islamic Research Journal 2 (3). https://alasr.com.pk/ojs3308/index.php/alasar/article/view/59.

Copyright Notice:
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 3.0 License.

ملکِ شام کا موجودہ بحران اور مسلکی و فرقہ وارانہ اختلافات: اسباب و اثرات کا جائزہ

Current Crisis of Syria and Religious and Communal Differences, Analysis of causes and Motivations

Qavi Ullah
PhD Scholar
National university of Modern languages Islamabad,
Email: qaviullahkhan1@gmail.com

Zeeshan Rais khattak
PhD Scholar
national University of Modern Languages,
Email: zeeshanraees2002@yahoo.com

Abstract

Ten years have passed since the Syrian crisis, but the problem is becoming more complicated and intractable with time. It has now taken such a form that the welfare of the people and the refugees is not considered anywhere in the global and local development. It has become a global game in political tussle and a hotbed of local rivalries. Among the other effects that the Syrian civil war has had, a prominent one is that it has created religious differences between different sections of the Muslim Ummah. has escalated and armed sectarian tensions have increased. Why have these sectarian differences become so intense and what can be resolved? This has been discussed in the article under review. Keeping the historical importance and effects of Syria's past and present in front, it becomes very important to research the sectarian and religious differences and conflicts arising from the current crisis. Go and its various political, social, economic and religious aspects should be discussed in the context of the recent crisis.
Keywords: Syria, Current crise, religious differences, Causes

شامی بحران کو دس سال کا عرصہ بیت چکا ہے مگر یہ مسئلہ وقت کے ساتھ مزید گھمبیر اور لاینحل ہوتا جارہا ہے۔ یہ اب ایسی شکل اختیار کر چکا ہے کہ جس کے حل کی عالمی و مقامی پیش رفت میں کہیں بھی عوام اور مہاجرین کی فلاح و بہبود پیش نظر نہیں ہے۔ سیاسی رسہ کشی میں یہ عالمی کھیل اور مقامی حریفانہ کشمکش کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ شام کی خانہ جنگی نے جو دیگر اثرات مرتب کیے ہیں ان میں ایک نمایاں اثر یہ بھی پڑا ہے کہ اس نے امت مسلمہ کے مختلف طبقات کے مابین مسلکی اختلافات کی شدت کو بڑھاوادیا اور مسلح فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ فرقہ وارانہ اختلافات اتنے شدید کیوں ہوگئے اور ان کا حل کیاہو سکتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں اسی پر گفتگو کی گئی ہے۔ شام کے ماضی اور حال کی تاریخی اہمیت و اثرات کو سامنے رکھتے

ہوئے یہ چیز نہایت اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے کہ موجودہ بحران نے سے جنم لیے والے فرقہ وارانہ و مسلکی اختلافات و تنازعات پر تحقیق کی جائے اور اس کی مختلف سیاسی، معاشرتی، معاشی اور دینی جہات پر حالیہ بحران کے تناظر میں بات کی جائے۔

ارضِ شام کا مختصر تعارف

قدیم تاریخ میں ملکِ شام کا علاقہ موجودہ چار ممالک کی جغرافیائی حدود پر مشتمل تھا۔ وہ چار ممالک یہ تھے: موجودہ شام، فلسطین، اردن اور لبنان۔(1) پہلی جنگ عظیم تک ملک شام اس سارے جغرافیے پر پھیلا ہوا تھا، تاہم 1920ء میں برطانیہ اور فرانس نے جب اس علاقے پر قبضہ جمایا تو اسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور تب سے شام موجودہ سوریا کہلایا اور اس کے ساتھ باقی تین ممالک بھی وجود میں آ گئے۔ عربی میں موجودہ شام کو سوریا کہا جاتا ہے جبکہ انگریزی میں اسے سیریا کا نام دیا گیا۔ البتہ اُردو میں اسے اب بھی شام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قدیم کتبِ تاریخ میں، بالخصوص اسلامی تہذیبی ذخیرے میں جب بھی ارضِ شام کا استعمال ہو گا اس سے مراد قدیم جغرافیہ کا حامل شام ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں بھی اس سے مراد یہی ہوتا ہے۔

شام اصل میں سریانی زبان کا لفظ ہے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام بن نوح کی جانب منسوب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد سام بن نوح اسی علاقے میں آباد ہوئے تھے، اس لیے یہ سرزمین انہی کے نام سے منسوب ہوئی۔ پھر اسے عربی میں معرب کر کے سام سے شام کہا جانے لگا اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔

اسی مبارک سرزمین پر مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس واقع ہے۔ اس کی طرف آنحضرت ﷺ نے سترہ ماہ تک رُخ کر کے نمازیں ادا فرمائیں اور عبادت کی۔ زمین کا یہ ٹکڑا مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد سب سے زیادہ مقدس ہے۔ یہ وہ واحد سرزمین ہے جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے جزیرہ عرب سے باہر سفر کیا۔ قرآن کریم میں جو معراج کا واقعہ مذکور ہے اس مبارک سفر کی ابتداء پر بھی اسی سرزمین سے ہوئی تھی۔ اسی سرزمین پر ہی آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت بھی فرمائی تھی۔(2)

جدید شام کا پس منظر

بیسویں صدی عیسوی کے شروع سے دنیا کے نقشے پر تیزی کے ساتھ تبدیلیاں وقوع پذیر ہونی شروع ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں اس قدر حیران کن اور سرعت کے ساتھ سامنے آئیں کہ ساری دنیا کے لوگ ششدر رہ گئے۔ بالخصوص خلافتِ عثمانیہ کا طویل و عریض رقبہ جس طرح سکڑنے لگا یہ ناقابل یقین تھا۔ اسی دوران ملک شام کا علاقہ بھی خلافت عثمانیہ کے اقتدار سے علیحدہ ہو گیا اور یہ علاقہ ٹکڑوں میں بٹ کر مختلف ممالک کی شکل اختیار کر گیا۔(3)

1911ء میں پہلے اٹلی کی افواج اور ترک سلطنت کے مابین لڑائیاں ہوئیں۔ اس میں ترکی کو شکست اٹھانی پڑی اور لیبیا اٹلی کے زیر قبضہ چلا گیا۔ اس کے بعد 1912ء میں دیگر چھوٹے چھوٹے یورپی ممالک کے اتحاد کے ساتھ لڑائیوں کے دوران

ترک سلطنت کی باگ ڈور سے مزید کئی علاقے جاتے رہے۔ جب ترک سلطنت کو یکے بعد دیگرے متعدد میدانوں میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو جزیرہ عرب میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی اور قوم پرست عرب رہنما عوام کے اندر یہ تاثر پیدا کرنے لگے کہ انہیں اب خلافت عثمانیہ کی کمان سے الگ ہو جانا چاہیے اور اپنے مستقبل کے فیصلے خود کرنے چاہئیں۔ علیحدگی کی اس تحریک کی ابتداء لبنان سے ہوئی۔ یہ تحریک اس قدر مؤثر اور طاقتور ثابت ہوئی کہ 1913ء میں عراق اور شام کے علاقوں میں بھی عوام کی اکثریت اس بات کی قائل ہو چکی تھی کہ انہیں واقعی اب ترک سلطنت سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔[4] اسی برس جزیرہ عرب کے قوم پرست نوجوان رہنماؤں نے مل کر پیرس میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں اس پر اتفاق کیا گیا کہ انہیں اب علیحدگی کے لیے ایک جامع منصوبے کو عمل میں لا کر اس تحریک کو کامیاب بنانا چاہیے۔

جزیرہ عرب میں قوم پرستی کی اٹھنے والی تحریک بالآخر کامیاب ثابت ہوئی۔ 1918ء میں جب پہلی جنگ عظیم اختتام کو پہنچی تو لبنان فرانس کی ماتحتی میں ایک الگ ملک بن چکا تھا۔ اسی طرح شام، عراق اور اردن کے کے علاقے بھی برطانیہ اور فرانس کے مابین تقسیم ہو چکے تھے۔ یہ نئی تقسیم 1918ء میں ہونے والے سائیکس پیکو کانفرنس کے بعد سامنے آئی تھی۔[5] اس میں جو بات سب سے اہم ہے وہ یہ تھی کہ جزیرہ عرب کے قوم پرست رہنماؤں نے یورپی ممالک کے ساتھ مل کر ترک سلطنت سے علیحدگی کی تحریک چلائی تھی۔ انہیں اس چیز کی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ جزیرہ عرب کے ترک سلطنت سے علیحدگی کے بعد یہاں کے مقامی رہنما اس خطے کی قسمت کا فیصل کریں گے۔ تاہم 1914ء سے 1918ء تک جاری رہنے والی پہلی جنگ عظیم کے دوران عرب رہنما اس امید پر برطانیہ اور فرانس کے ساتھ مل کر لڑتے رہے کہ جب یہ جنگ ختم ہو گی تو یورپی طاقتیں جزیرہ عرب میں اپنے عمل دخل کو کم کر دیں گی۔ مگر 1918ء میں جب جنگ عظیم آخری مراحل میں تھی اور ترک سلطنت کی شکست واضح نظر آنے لگی تھی کہ یورپی ممالک نے باہمی سطح پر سائیکس پیکو کا معاہدہ کیا تھا جس میں جزیرہ عرب کے علاقوں کی سرپرستی کو آپس میں تقسیم کر دیا تھا۔ حیران کن امر یہ تھا کہ عرب قوم پرستوں کو اس معاہدے کی خبر ہی نہیں کی گئی تھی۔ جب روسی اخبارات نے اس کی خبر لگائی تو انہیں علم ہوا اور وہ اس پر سخت تذبذب کا شکار ہوئے، تاہم ان کے ہاتھ میں اب کچھ خاص باقی نہیں تھا۔ برطانیہ اور فرانس کے اس دھوکے پر جزیرہ عرب کے عوام میں ان کے خلاف سخت احتجاج سامنے آیا اور ایک نئی تحریک کا اعلان ہوا جس میں عہد کیا گیا کہ اس خطے سے یورپی اقوام کے قبضے کو ختم کیا جائے گا۔

اس مقصد کے لیے بیروت میں عرب رہنماؤں نے نومبر 1918ء میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں بالخصوص شام کے علاقے کے لیے نمائندے مقرر کیے گئے۔ اس دوران شریفِ مکہ کے بیٹے شاہ فیصل بن حسین جنہوں نے جزیرہ عرب میں ترک خلافت کے خلاف علم بلند کر رکھا تھا اور علیحدگی کی مہم میں پیش پیش رہے تھے، انہوں نے بھی برطانیہ و فرانس سے سخت احتجاج کیا۔ جب نئی تحریک اپنے ابتدائی مراحل میں ہی تھی 1919ء کے شروع میں اعلان کیا گیا کہ یورپی ممالک نے ملک

شام کا اقتدار شاہ فیصل بن حسین کے سپرد کر دیا ہے۔ امیر فیصل کو بعد میں ایک معاہدے کے ذریعے عراق کا حکمران مقرر کر دیا گیا۔ وہ 1933ء تک اس کے حاکم رہے۔ ستمبر 1933ء میں وہ سوئٹزر لینڈ میں دل کے دورے کے بعد وفات پا گئے۔

1927ء سے 1970ء تک ملک شام مسلسل بدامنی اور عدم استحکام کا شکار رہا۔ اقتدار کی رسہ کشی میں قتل و غارت ہوتی رہی اور عوام کے حقوق کا استحصال کیا جاتا رہا۔ (6)

موجودہ بحران پر ایک طائرانہ نظر

2011 سے شروع ہوئی اس جنگ میں اب تک پانچ لاکھ سے زیادہ افراد قتل کر دئے گئے ہیں، جبکہ پانچ لاکھ افراد زخمی یا گمشدہ ہیں۔ صرف دو کروڑ آبادی والے اس ملک کے 70 لاکھ افراد بے گھر ہیں، یعنی ملک کی آبادی کا 35 فیصد در بدر ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے، ان میں سے پندرہ لاکھ لبنان میں، دس لاکھ اردن میں، پانچ لاکھ مصر اور پانچ لاکھ ترکی میں پناہ گزینوں کے لیے تیار کردہ کیمپوں میں ہیں۔ اچھی خاصی تعداد مغربی ممالک میں بھی ہے۔ کچھ لوگ اپنے آباواجداد کے علاقہ کو چھوڑ کر ملک کے دوسرے علاقے میں رہائش پذیر ہیں۔ ملک میں تباہی کے ساتھ بے شمار اقتصادی، تعلیمی اور سماجی مسائل درپیش ہیں، جن کی اصلاح کے لیے جنگ بندی کے بعد پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ درکار ہو گا۔ درمیانی طبقہ سے تعلق رکھنے والے بے شمار لوگ آج ایک وقت کی روٹی کے لیے پناہ گزینوں کے کیمپ کے اندر لمبی صف میں کھڑے نظر آرہے ہیں۔ دوسروں کے بچوں کی کفالت کرنے والے آج اپنے بچوں کی کفالت کے لیے بھیگ مانگ رہے ہیں۔ ہزاروں ٹن زیتون کی کھیتی کرنے والے کسان زیتون کھانے کے لیے دوسروں کے محتاج بن گئے ہیں۔ پستہ جیسی طاقت ور چیز کی پیداوار کرنے والوں کو آج پیٹ بھر کر کھانا نہ ملنے کی وجہ سے کمزوری کی شکایت ہے۔ جن علاقوں سے دین اسلام کی خدمت کرنے والے پیدا ہوئے، آج وہاں کے رہنے والے غیروں کی تربیت گاہوں میں دنیاوی زندگی کے قیمتی اوقات گزار رہے ہیں، جس کا نتیجہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ 80 فیصد تعلیم یافتہ ملک کے افراد اِن دِنوں اپنے بچوں کو بنیادی تعلیم دینے کے لیے دوسروں کے رحم و کرم پر منحصر ہو گئے ہیں۔ پردہ میں رہنے والی بے شمار خواتین آج غیر محفوظ مقامات پر رات گزارنے پر مجبور ہیں۔ (7)

2011 میں تونس، مصر، لیبیا اور سوریا میں موجود حکومتوں کے خلاف انقلاب آئے، لیکن تونس کے صدر زین العابدین نے 24 سالہ اقتدار کو چھوڑ کر ملک کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ مصر کے صدر حسنی مبارک نے عوامی مظاہروں کے بعد فوج کی دخل اندازی پر 30 سالہ اقتدار سے تنازل لے کر ملک کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ لیبیا کے صدر معمر القذافی کے خلاف انقلاب آنے پر اس کا 42 سالہ طویل دور ختم ہو گیا مگر ملک مزید تباہی سے بچ گیا۔ تونس اور مصر جیسی مثال پیش کر کے بشار الاسد اقتدار چھوڑ کر ملک کو تباہ ہونے سے بچا سکتے تھے۔ مگر بشار الاسد نے اپنے معاونین کے ساتھ مل کر عوام پر بمباری کی، گولیاں برسائیں، معصوم لوگوں کو قتل کیا گیا، انہیں اپنے ملک کو خیر آباد کہنے پر مجبور کیا گیا، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ اس وقت روس کی مدد سے بشار الاسد کی حکومت انسانوں پر نہیں بلکہ تباہ شدہ عمارتوں اور کھنڈرات پر ہے۔ دوسری طرف باغی

بھی حکومت اور سرکاری اہلکاروں کو نشانہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے۔ باغی اور حکومت کی جنگ میں عام عوام کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ عوام کو کوئی خیر خواہ نہیں، بھوک اور افلاس کے مارے عوام کوئی پرسان حال نہیں۔

خانہ جنگی اور معاشرے کی تقسیم

شامی خانہ جنگی نے ملک کے اندر ایک سیاسی بحران کو جنم دیا ہے۔ اس بحران نے لوگوں کو تقسیم کر دیا ہے اور ان کے مابین آپس میں منافرت پیدا ہوئی ہے۔ ایک ایسا معاشرہ کہ جس کی ہم آہنگی کی مشرق وسطی میں مثال دی جاتی تھی کہ جو مذہبی اور نسلی اعتبار سے متنوع ہے مگر اس کے باوجود وہاں امن اور باہمی احترام کبھی کم نہیں ہوا اس معاشرے میں اب خانہ جنگی اور انقلاب کے بارے میں سیاسی موقف کی وجہ سے شدید تقسیم پیدا ہوئی ہے۔ کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت کے خلاف سڑکوں پر آنا درست عمل نہیں تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ مظاہروں میں شامی لوگوں کو استعمال کیا گیا۔ جبکہ بعض دیگر افراد کا موقف ہے کہ شامی حکومت کے خلاف کھڑا ہونا درست اقدام تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے سیاسی موقف معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک دوسرے کو ذمہ دار قرار دیتے یا مخالف گروہ کا ہمنوا سمجھتے ہیں جس سے باہمی احترام کم یا ختم ہوا ہے اور لوگوں میں منافرت کا احساس پیدا ہوا ہے۔ رشتوں میں دراڑیں آئی ہیں اور لوگوں میں باہمی سطح پر اعتماد کی کمی واقع ہوئی ہے۔ ایسے مسائل نے شامی سماجی ساخت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔(8)

شامی معاشرہ فرقہ وارانہ اختلافات میں بھی تقسیم کا شکار ہوا ہے۔ مذہبی اختلافات جو پہلے یہاں کسی بھی سطح پر قابل گرفت نہیں سمجھے جاتے تھے اب قابل گردن زنی ٹھہرے ہیں۔ اس کی ایک وجہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر مختلف ملیشیاؤں کا فعال ہونا اور ان اساسات پر جتھوں کی صورت ایک دوسرے کے خون کو مباح بنانا ہے۔ ایسے گروہ شامی سماجی ساخت سے نہیں ابھرے ہیں بلکہ دیگر ممالک کی شہ پر اتارے گئے تھے جو اب ایک ایسی حقیقت بن چکے ہیں کہ اب وہاں لوگوں کے لیے یہ مشکل ہو گیا ہے کہ وہ گروہی تفریق سے اپنی جان چھڑا سکیں یا اس سے کنارہ کشی اختیار کر سکیں۔(9) شامی معاشرہ طوعاً و کرھاً فرقہ وارانہ گروہی تفریق سے فرار اختیار نہیں کر سکتا۔

مسلکی اختلافات اور اسلام

حالیہ شامی بحران کی جہاں بہت سارے مثبت اثرات اسلامی دنیا پر مرتب ہو رہے ہیں وہیں ان بحران کے اسلامی دنیا پر منفی اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ جو کہ بحثیت مجموعی اسلام اور عالم اسلام کے لیے نہایت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ حالیہ شامی بحران کے نتیجے میں امت مسلمہ کا اتحاد خطرات سے دوچار نظر آتا ہے۔ حالانکہ امت مسلمہ کا اتحاد اسلام کی سربلندی اور ترقی کی ضمانت دیتا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں "اتحاد امت" پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حالیہ شامی بحران کے نتیجے میں "اتحاد امت" کے لیے خطرات کو جاننے سے پہلے قرآن و حدیث کی روشنی میں "اتحاد امت" کی اہمیت بیان کی جائے گی۔

شام میں موجودہ بحران کے نتیجے میں فرقہ واریت کا خطرہ

جب شامی انقلاب کے آثار ملک میں شروع ہوئے اور عوام سڑکوں پر نکل کر احتجاج کرنے لگے تو اس وقت اس لہر کو ایک عوامی لہر کے طور پہ دیکھا جا رہا تھا۔ تب اس کے اندر کسی طور فرقہ واریت کے راجحانات موجود نہیں تھے۔ ملک میں آمرانہ نظام اور حقوق کی پامالیوں کے سبب عوامی سطح پر ایک ناراضی پہلے سے موجود تھی۔ اس لیے جب عرب بہار کی ابتداء ہوئی اور شام بھی اس کی لپیٹ میں آیا تو یہی سمجھا گیا کہ یہ مظاہرے عوامی رد عمل ہیں۔ ٹیلی وژن پر سیاسی ماہرین کے تبصرے بھی اسی نوعیت کے تھے اور مشرق وسطی کے اخبارات بھی شامی مظاہروں کو اسی تناظر میں بیان کر رہے تھے۔ لیکن اس دوران ملکی سطح پر ایسی تبدلیاں رونما ہوئیں جن کی وجہ سے ان احتجاجات میں پہلی بار فرقہ واریت کا رنگ ظاہر ہونا شروع ہوا اور لوگ اس زاویے سے تبصرے کرنے لگے۔[10]

ایک تو حکومت کی جانب سے عام شہریوں کو احتجاج کا حصہ بننے سے روکنے کی غرض سے نشانہ بنایا جانے لگا اور ان پر تشدد کیا جانے لگا۔ چونکہ اس تشدد اور پکڑ دھکڑ میں زیادہ تر نشانہ سنی شہری تھے اس لیے عمومی تاثر یہ ابھرنے لگا کہ یہ نظام علوی اور شیعہ ہے۔[11]

دوسرا سبب یہ تھا کہ خود حکومت کی جانب سے کبھی اس کو خارجی سازش کے طور پہ بیان کیا جانے لگا تھا اور کبھی اسے فرقہ وارانہ رنگ میں دیکھا جانے لگا کہ مشرق وسطی کی بعض سنی طاقتور ریاستیں ان احتجاجات کو سپورٹ کر رہی ہیں۔ اس دوران یہ تبدیلی بھی رونما ہوئی کہ حکومتی نظام کی جانب سے کچھ ملیشیاؤں کا استعمال کیا جانے لگا جو فرقہ وارانہ نوعیت کی تھیں۔ اس کا مقصد عوامی مظاہروں کی روک تھام تھا۔ اس اقدام کے بعد عوام کی جانب سے بھی اس نوع کے گروہ اور دھڑے سامنے آنے لگے اور رفتہ رفتہ یہ ایک فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے اندر تبدیل ہو گیا۔[12]

تیسرا سبب یہ تھا کہ اس انقلاب کے بعد مظاہروں اور حکومت کی حمایت یا مخالفت کے اندر خطے کے ممالک میں جو تقسیم سامنے آئی وہ بھی لگ بھگ فرقہ وارانہ رنگ لیے ہوئے تھی۔ شامی حکومت کی حمایت میں عراق، ایران اور حزب اللہ[13] سامنے آئے جبکہ عوامی مظاہروں کی حمایت میں سعودی عرب اور دیگر سنی ریاستیں آگے بڑھیں۔ یوں ان کے میڈیا اور صحافتی حلقے اپنی اپنی سطح پر اس انقلاب کو فرقہ وارانہ تناظر میں دیکھنے اور اس پر تبصرے کرنے لگے۔ اس سے بھی یہ تاثر قوی ہوتا گیا کہ شامی سرزمین پر ایک فرقہ وارانہ خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ اور وہاں بھی عملاً یہی صورتحال بنتی چلی گئی۔[14]

بعض مفکرین کے مطابق اس میں ایک کردار میڈیا کا بھی رہا ہے۔ شام سے باہر کا میڈیا بھی چاہے وہ سنی طبقات کا ہو یا شیعہ گروہوں کا، دونوں کی جانب سے شام کی صورتحال کو منفی تاثر دیا جاتا رہا۔ پاکستان سمیت عرب دنیا کے میڈیا میں بعض حلقے اس کو شیعہ سنی لڑائی قرار دے رہے تھے۔[15] خلیجی ممالک اور عرب دنیا میں شیخ عرعور کا شمار صف اول کی علمی شخصیات میں ہوتا ہے اور ان کا دائرہ اثر بھی بہت وسیع ہے۔ انہوں نے شروع سے ہی صفا اور وصال ٹی وی پر اس انقلاب کو سنی اور شیعہ

مسالک کی لڑائی قرار دیا اور عوام کے اندر یہ بات راسخ کرتے رہے کہ وہ اس بحران کو انسانی و شہری حقوق کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے مسلکی دائروں میں پرکھیں۔[16]

فرقہ وارانہ بنیادوں پر شروع ہونے والے قتل کا سلسلہ یہیں نہیں رکا بلکہ اس سے آگے بڑھتا چلا گیا اور خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ ملک میں مقامی سطح کی کئی ایسی جہادی تنظیمیں وجود میں آگئیں جو ایک دوسرے کو مسلک کی بنیاد پر مار رہی تھیں۔ ان تنظیموں کو صرف داخلی سطح پر ہی تعاون میسر نہیں تھا بلکہ انہیں باہر کے متعدد مسلم ممالک سہارا دے رہے تھے۔ یا ان کے پیچھے مغربی قوتیں تھیں۔[17] تاہم ان کا کردار فرقہ وارانہ تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "شامی بحران" کی تحریکیں مسلح گروپ کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔ تشدد کا راستہ اختیار کر رہی ہیں۔ بادی النظر میں یہ تحریکیں اب پر امن نہیں رہیں۔ مصر میں بم دھماکے ہوں یا لیبیا میں۔ اور شام کی جنگ تو اب واضح صورت اختیار کر چکی ہے۔ اور یہ جنگ فرقہ واریت کا روپ اختیار کر چکی ہے۔ حالیہ عرب بحران کے نتیجے میں اکثر مسلم ممالک میں فرقہ واریت میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ FRIDE کے سینئر، ریسرچر اپنے آرٹیکل میں اس کی طرف واضح طور پر اشارہ کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

While the Arab spring has led to greater Sectarianism across the Arab world. This trend does not justify people turning their back on democratic reforms. The obstructions posed by sectarianism are actually overblown.[18]

"عرب بہار نے فرقہ واریت کو عرب دنیا میں پھیلانے میں ایک کردار ادا کیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے خیالات جمہوریت کی طرف راغب نہ ہو سکیں۔ فرقہ واریت سے پھیلنے والے اس عذاب نے درحقیقت اس رجحان کا خاتمہ کر دیا ہے"۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حالیہ شامی بحران کے منفی اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت میں اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اب یہ فرقہ واریت کس کے درمیان اور کیسے ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے "Barah Mikail" مزید لکھتا ہے کہ:۔

Sectarianism has experienced a boost in the aftermath of popular uprisings in the Arab world. Recent Sectarian strife following the fall of Arab authoritarian leaders has been provoked by ideological rifts between Islamist and secularists, and between conservatives and liberals, as well as by religions divisions between Sunni and shias, Muslims and Christians.[19]

"حالیہ مقبول "عرب بہار" کے بعد عرب دنیا میں فرقہ واریت کے فروغ کا تحریر کیا گیا ہے۔ عرب آمرانہ رہنماؤں کے زوال کے بعد اسلام پسندوں اور سیکولر کے درمیان نظریاتی اختلافات کو اکسایا گیا ہے۔ اسی طرح قدامت پسندوں اور لبرل کے ساتھ ساتھ سنی اور شیعہ، مسلمان اور عیسائیوں کے درمیان مذہبی تقسیم کو بھی ہوا دی گئی ہے"۔

فرقہ واریت کی اس جنگ میں روزانہ سینکڑوں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اب اس جنگ کا اصل میدان شام اور عراق ہیں۔ جہاں پر لاکھوں لوگوں کی زندگیاں اس جنگ کی نذر ہو چکی ہیں۔ اور یہ جنگ دیگر مسلم ممالک میں پھیلتا جا رہا ہے اگر یہ جنگ یوں ہی جاری رہی تو اسلامی دنیا تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے گی۔

شام کے مسلکی و فرقہ وارانہ تنازع کے مسلم دنیا پر اثرات

ملک کے اندر اور نتیجتاً اس سے باہر مسلکی اختلافات کو ہوا دینے میں جہاں شامی حکومت نے کردار ادا کیا وہیں اس کے بعد ساری مسلم دنیا میں بھی بعض شخصیات نے اس ناہمواریت اور عوام کی حکومت کے ساتھ مڈبھیڑ کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی۔ ان میں بعض ایسے افراد بھی تھے جو شام سے باہر انقلاب کی رہنمائی کر رہے تھے۔ یا اس کی نمائندگی کے دعویدار کے طور پہ سامنے آئے تھے۔ اگرچہ ان کی طرف سے اس طرح کی بیان بازی کا سبب ملک کے اندر کی صورتحال اور پڑوسی ممالک کا مسلکی بنیادوں پر شامی حکومت کی حمایت اور عوام کے خلاف کھڑا ہونا تھا۔ مثال کے طور پہ مامون الحمصی شامی انقلاب کی نمائندہ شخصیت تھے اور شام سے باہر تھے۔ انہوں نے ٹی وی پر مسلسل شامی نظام کو علوی اور شیعی نظام کہا۔[20] اس کی وجہ سے بھی رفتہ رفتہ شامی بحران فرقہ وارانہ رنگ اختیار کرتا گیا۔

بعض مفکرین کے مطابق اس میں ایک کردار میڈیا کا بھی رہا ہے۔ شام سے باہر کا میڈیا بھی چاہے وہ سنی طبقات کا ہو یا شیعہ گروہوں کا، دونوں کی جانب سے شام کی صورتحال کو منفی تاثر دیا جاتا رہا۔ پاکستان سمیت عرب دنیا کے میڈیا میں بعض حلقے اس کو شیعہ سنی لڑائی قرار دے رہے تھے۔[21] خلیجی ممالک اور عرب دنیا میں شیخ عدنان العرور کا شمار صف اول کی علمی شخصیات میں ہوتا ہے اور ان کا دائرہ اثر بھی بہت وسیع ہے۔ انہوں نے شروع سے ہی صفا اور وصال ٹی وی پر اس انقلاب کو سنی اور شیعہ مسالک کی لڑائی قرار دیا اور عوام کے اندر یہ بات راسخ کرتے رہے کہ وہ اس بحران کو انسانی و شہری حقوق کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے مسلکی دائروں میں پرکھیں۔[22]

مسلکی بنیاد پر مسلم ممالک کی تقسیم

حالیہ شامی بحران نے اسلامی دنیا کے اتحاد کو تقسیم در تقسیم کر کے رکھ دیا ہے۔ مسلم ممالک الگ الگ گروپ میں بٹ چکے ہیں۔ جو کہ اتحاد امت مسلمہ کے لیے بہت رکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے۔ ترکی اور ایران کے تعلقات بھی ان تحریکوں کے بعد کافی حد تک کشیدہ ہو چکے ہیں۔ اور ایک دوسرے پر الزامات لگا رہے ہیں۔ شام اور عراق میں ایران کے حمایت یافتہ حکمران ہیں۔ CNN نے اپنی ایک رپورٹ میں ان ممالک کی حالیہ کشیدگی کو کچھ یوں بیان کیا ہے۔

Turkey, whose regime change plicy in Syria has been undermined by Iran, " has entered the fertile crescent competition, throwing its support behind the Syrian and Iraq MB parties. This move has cast Ankara and Damascus as enimies, and also cooled ties between Ankara and Baghdad, where the government is run by Shiites that Turkey considers Iran's peons."[23]

"ترکی جس کی پالیسی شام کی وجہ سے خطے میں تبدیل ہوئی ہے۔ ایران کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہے اور ایران ترکی کے مدمقابل ہے ترکی نے عراق اور شام میں حزب مخالف برسر اقتدار پارٹیوں کی حمایت کرتی ہے۔ اس بات نے انقرہ اور دمشق کو دشمن بنا دیا ہے۔ اور اسی طرح انقرہ اور بغداد کو بھی۔ جہاں پر شیعہ حکومت کرتے ہیں جن کو ترکی ایران کا بغل بچہ سمجھتا ہے۔"

شامی صدر بشار الاسد آئے روز سعودی عرب اور قطر پر مداخلت کے الزامات لگا رہا ہے اور عراق کے وزیر اعظم نوری المالکی نے کئی دفعہ براہ راست سعودی عرب پر عراق میں داعش کی حمایت کا الزام لگایا ہے۔ حالیہ عرب بحران کے نتیجے میں عرب ممالک خود ہی ایک پیچ پر دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ جس کی تازہ مثال قطر اور سعودی عرب کی تعلقات ہیں۔ جس میں پہلی دفعہ دراڑ پڑتی دکھائی دے رہی ہے۔ "اتحاد امت مسلمہ" کے خاطر مسلم حکمرانوں کو وسیع تر مسلم مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے کرنے ہونگے نہ کہ مسلک اور نسل کی بنیاد پر۔ مسلمان حکمرانوں کو اپنی ذاتی عناد کو چھوڑ کر مسلم اتحاد کو یکجا کرنے کی ضرورت ہے۔ جو کہ اتحاد امت مسلمہ کے لیے بنیادی شرط ہے۔

حل کے لیے پیش قدمی

شام میں مسلکی و فرقہ ورانہ بحران کے حل کے لیے مذہبی پہلو بہت اہم ہے۔ اس ضمن میں کچھ تجاویز ممکن ہیں جو اس بحران کو حل کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں:

1- مذہبی طبقے کی فعال و مؤثر ادارہ جاتی فورم کی ضرورت

شامی بحران جس طرح کی شکل اختیار کر گیا ہے اس کے لیے ایک ادارہ جاتی حیثیت کے دینی حلقے کی ضرورت ہے، جیسا کہ بوسنیا میں میں ایک ہی مذہبی ادارہ کام کرتا ہے اور یوگوسلاویا میں بھی ایسی ہی صورتحال ہے۔ شام میں حکومت نے علماء کی طاقت کو بالکل مسمار کر دیا تھا۔ جو سرکاری دینی حلقہ قائم تھا وہ تصوف کی طرف میلان رکھتا تھا اور وہاں ریاست کے سیاسی امور پہ مذہبی تناظر میں کوئی بات چیت نہیں ہوتی تھی۔ ایک طویل عرصے تک علماء ریاست کے سیاسی امور سے بے گانہ رہے اس لیے بحران کے وقت میں شام کے اندر سے متوقع مذہبی قیادت سامنے نہ آسکی۔[24] یہی وجہ ہے کہ ان علماء کی جگہ کو جہادی مسلح جماعتوں نے پر کیا۔ ان جہادی مسلح جماعتوں نے حساس مذہبی معاملات کے اندر رائے دینے سے گریز نہیں کیا اور

انجام یہ نکلا کہ آپس میں گتھم گتھی ہو گئے۔ ہر جماعت نے اپنا ایک مفتی متعین کر رکھا ہے اور اس کی رائے حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔ ماضی میں جہادی جماعتیں فتوی دینے سے گریز کرتی تھیں[25] اور حساس مسائل میں ان اہل علم سے رجوع کرتیں جن کا مشغلہ علم و دانش ہوتا تھا۔ مگر اب شام کے بحران کے بعد سے منظر نامہ میں تبدیلی آگئی ہے۔

2- اقلیتوں کے لیے اقدامات

شام کے مذہبی حلقے میں باہمی تفریق کے علاوہ اب یہ مسئلہ بھی پیدا ہو گیا ہے کہ اس میں دیگر ادیان و مذاہب کے لیے جگہ تنگ ہو گئی ہے۔ مسلکی اختلافات اور فرقہ واریت نے صرف مسلم طبقے کو ہی آپس میں دست گریباں نہیں کیا بلکہ غیر مسلم طبقات کے لیے بھی زمین کو تنگ کر دیا ہے۔[26] شام میں بڑی تعداد میں اقلیتیں رہتی ہیں جو نسلی بھی ہیں اور دینی بھی۔ مثال کے طور پہ آبادی کے کل حصے کا 10 فیصد مسیحیوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح کردوں کی بڑی تعداد وہاں رہتی ہے۔ اس طرح کی اقلیتیں بالکل محفوظ نہیں ہیں اور ان پر مسلسل حملوں کی وجہ سے دنیا میں شام کا اکثریتی دینی حلقہ بدنام ہوا ہے۔ اس لیے مذہبی دانش شامی بحران میں کردار ادا کرے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فرقہ واریت کی طرح غیر مسلم اقلیتوں پر ظلم کو بھی مسترد کرے، بلکہ ان کی حمایت میں کھڑی ہو۔ مذہبی حلقے کا شام میں کردار مسلکی سے زیادہ انسانی اور تمدنی ہونا چاہیے۔ تاکہ اقلیتیں بھی اس کے کردار کو تسلیم کریں۔ ورنہ اگر نسلی و دینی اقلیتیں اسے قبول نہیں کرتیں تو خانہ جنگی کا خاتمہ ممکن نہیں ہو گا۔[27]

3- متبادل معتدل مذہبی تعبیر

اس کے علاوہ مذہب کی کوئی بھی پر تشدد تعبیر شام کے مسئلے میں ان کے کردار کو کم کر سکتی ہے۔ جو مذہبی جماعت بھی اس بحران میں کام کرے وہ عالمی قوانین اور جدید سماجی و انسانی اصطلاحات کو بھی جگہ دے ورنہ ان کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور ان کا کردار سکڑ کر رہ جائے گا۔

4- رفاہی کاموں کی اہمیت

بحران کے دوران انسانی بنیادوں پر کام کی نوعیت میں رفاہی امور سر فہرست ہیں۔ یہ وہ عملی اقدام ہے جس سے مذہبی حلقہ اپنے لیے وسعت پیدا کر سکتا ہے اور ہر سطح کے فرد تک رسائی حاصل کر کے حمایت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ راستہ مستقبل کے شام میں بھی اس طبقے کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گا اور وہ آزادی کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت کا حامل ہو گا۔ شام میں علمی و سیاسی حلقے کی طرح اسد خاندان نے رفاہی حلقے کو بھی اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہاں حافظ الاسد اور بشار الاسد کے ادوار میں مذہبی نوعیت کے رفاہی کاموں پر پابندی تھی تاکہ اس کا اثر و رسوخ عوام میں نہ پھیل سکے۔ جو رفاہی کام کیا جاتا تھا وہ ان کاروباری افراد کی جانب سے تھا جو حکومت کی حمایت کرتی تھیں۔ حتی کہ ان رفاہی اداروں کے سربراہان کو بشار الاسد نے معزول کرا دیا تھا تاکہ لوگ ان کے بھی اثر و رسوخ میں نہ آجائیں۔[28]

5- قومی وحدت کا اعلامیہ

13 مئی 2018ء میں المجلس الاسلامی السوری نامی شام کی مذہبی جماعت نے ایک تفصیلی اعلامیہ جاری کیا تھا جو پہلی مرتبہ کسی مذہبی جماعت کی طرف سے پیش کردہ قومی وحدت کی اساس پر مبنی بیانیہ تھا۔ یہ اعلامیہ عملی طور پہ شامی عوام اور اس کی تاریخ و ثقافت کی ترجمانی کرتا ہے۔ اگر دیگر جماعتیں اس اعلامیے کے تحت اپنی کاوشوں کو لائیں اور اسی نہج پر کام شروع کیا جائے تو یہ سعی ثمر آور ثابت ہو سکتی ہے۔ اس اعلامیے میں کہا گیا کہ شام کی سرزمین کو نہ زمینی حوالے سے تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے شہریوں کے مابین تفریق کی اجازت دی جائے گی۔ اس کے علاوہ جو اہم نکات اس میں شامل تھے وہ درج ذیل ہیں:[29]

تمام شامی شہری مساوی حقوق رکھتے ہیں اور اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں قانون کے ماتحت ہیں۔

ظلم اور انتقام دونوں کو مسترد کیا جائے گا تا کہ خانہ جنگی کو ختم کیا جا سکے۔

6- دستوری اصلاحات

شام کے مسئلے کا حل شام کے شہریوں کی آراء و خواہشات کے مطابق ہو۔ دستور میں جو اصلاحات کی جائیں وہ شامی عوام کی ترجمانی کرتی ہوں۔

7- مہاجرین کی مدد

ہجرت پر مجبور کیے گئے تمام شامی شہریوں کو واپس آنے کی سہولت دی جائے اور ان کے مکان و متاع کو ان کے سپرد کیا جائے۔

ملک کے عسکری اور سکیورٹی کے شعبے کی ازسرنو تنظیم و تشکیل کی جائے جس میں آمریت کے تمام استعارے مسترد کیے جائیں۔

مذہب تمام انسانوں کو ان کے حقوق دیتا ہے، اس کے نام پر ظلم کی اجازت نہ دی جائے۔

یہ وہ چند تجاویز ہیں جو شام کے بحران کے حل اور اس کے مستقبل کی تشکیل میں مذہبی حلقے نے پیش کیے ہیں جو ہم آہنگی، یگانگت اور احترام انسانیت کی ترجمانی کرتی ہیں۔

شام میں علماء و مذہبی قیادت کو استعمال میں لاتے ہوئے اور ان کی مدد سے ہنگامی بنیادوں پر کرنے کا پہلا کام تو یہ ہے کہ کسی طرح جاری مظالم کو روکا جائے۔ روس اور شامی حکومت کو جنگ بندی پر آمادہ یا مجبور کیا جائے، زخمیوں اور ضرورتمندوں کے علاج معالجے اور انہیں خوراک بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ دیگر نقصانات کا ازالہ کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا بھر میں ان مظالم کے خلاف آواز اٹھائی جائے، مسلم کمیونٹی اور انسانی حقوق کی تنظیمیں منظم انداز سے اپنا احتجاج ریکارڈ کروائیں اور اقوام متحدہ و عالمی طاقتوں سے مسئلے کا غیر جانبدارانہ حل کا مطالبہ کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ سنجیدہ اہل علم، دانشور، علمائے دین اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام میں یہ شعور پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ آج کی دنیا میں اپنے حقوق حاصل کرنے کے کیا کیا طریقے ہیں اور پر امن احتجاج سے کس طرح اپنے مطالبات منوائے جاسکتے ہیں۔ کوئی بھی گروہ یا طبقہ جب یہ دیکھے کہ ارباب اختیار کے فیصلوں سے اس کے مفادات یا حقوق پر زد پڑتی ہے تو ذرائع ابلاغ یا جرگہ کے ذریعے فوراً اپنی آواز متعلقہ حلقوں تک پہنچائی جائے تاکہ حق تلفی کا ازالہ ہوسکے۔ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر فوری ردعمل نہ دیا گیا تو وقت کے ساتھ ساتھ یہ لاوا پکتا رہے گا اور کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بنے گا۔ اگر ایسے میں کوئی چھوٹا سا مسلح گروہ بھی حکومتی پالیسیوں کے خلاف میدان عمل میں آتا ہے تو اسے بڑی عوامی تائید مل سکتی ہے۔ اس لیے کوشش کی جائے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل کو نظر انداز نہ کیا جائے اور مقتدر حلقوں تک اپنی بات پہنچائی جائے۔ اس حوالے سے سوشل میڈیا کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے۔ جمہوری معاشروں میں ارباب اختیار بھی عوام میں سے ہی ہوتے ہیں اس لیے انہیں بھی عوامی مسائل پر توجہ دینی چاہیے اور چھوٹے چھوٹے مسائل کو ساتھ ساتھ ہی حل کرتے رہنا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ یہی معمولی مسائل عفریت کی شکل اختیار کرلیں اور ان سے نمٹنا مشکل ہو جائے۔

نتائج وسفارشات

1. مسلمانوں کا سرزمین شام سے والہانہ تعلق بہت پہلے سے ہے۔ اس کی وجہ انبیاء کرام کا وہاں مبعوث ہونا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے اور احادیث مبارکہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ صحابہ کرام کو سرزمین شام کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کا اس سرزمین سے ایک جزباتی تعلق اسلام کی آمد کے وقت سے ہی قائم ہوگیا تھا۔ لیکن سات ہجری کا سال ایک ایسا موقع ہے جب مدینہ کی ریاست کا ملک شام کے ساتھ پہلا حقیقی ربط قائم ہوتا ہے یہ غزوہ موتہ کے وقت قائم ہوا تھا۔
2. ملک شام عوامی اتحاد اور اتفاق کے لحاظ سے اپنا منفرد مقام دکھاتا تھا بدقسمتی سے آج عوامی سطح پر فرقہ واریت اور مذہبی منافرت انتہا پر پہنچ چکی ہے۔
3. عرب بہار کے بعد شام بحران کے جہاں داخلی وخارجی سطح پر متنوع اثرات رونما ہوئے وہیں یہ چیز بھی سامنے آئی اس سرزمین سے اٹھنے والے مسلکی اختلافات اور فرقہ واریت کے شراروں نے مسلم امہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
4. موجودہ بحران کو سامنے رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ حکومت اور اپوزیشن دنیا کو باور کرائے کہ کسی بھی دوسرے ملک کی ملک شام میں مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔
5. فرقہ واریت ملک شام میں آگ کی طرح پھیل رہی ہے، حکومت اور اپوزیشن دونوں کو مل کر فرقہ واریت کی آگ کو جڑ سے اکھاڑنا ہوگا۔
6. مسلکی ہم آہنگی اور بھائی چارے کو فروغ دیا جائے۔

حوالہ جات

[1] محمود صالح، الہلال الخصیب (بیروت، دار المشرق، 2018ء) 243

Mahmood Salih, al Hilal al Khasib (Beirut, Dar al Mashriq, 2018) 243

[2] سلیمان المدنی، ھؤلاء حکموا سوریا (القاہرہ، دار المعارف، 2017ء) 49

Suleman al Madani, Haula'I Hakamu Suria (Cairo, Dar al Maarif, 2017) 49

[3] دکتور محمد ذوقان، تطور الحرکۃ الباطنیہ فی سوریا (بیروت، المکتبہ العلمیہ، 2014ء) 56

Dr. Muhammad Zoqan, Tatawwur al Harak al Batnia Fi Suria (Beirut, al Maktab al Ilmia, 2014) 56

[4] ایضاً 110

Ibid, 110

[5] عمر عبد الحکم، الثورہ الجہادیہ فی سوریا (القاہرہ، مکتبہ طیاف، 2017ء) 37

Umar Abdulhakeem, al Saura al Jihadia Fi Suria (Cairo, Maktaba Tayyaf, 2017) 37

[6] ایضاً، 84

Ibid, 84

[7] محمد بوعزہ، الانقلابات العسکریہ فی سوریا (بیروت، مکتبہ شماس، 2014ء) 73۔

Muhammad Bu Izza, al Inqalabat al Askria Fi Suria (Beirut, Maktaba Shammas, 2014) 73

[8] ایضاً 47

Ibid, 47

[9] مجلہ دستور، پیرس، جنوری، 2019ء

Majaal Dastur, Beirut, January, 2019

[10] محمد حسنین ہیکل، مالذی جری فی سوریا (القاہرہ، مکتبہ طیاف، 2014ء) 33

Muhammad Hasnain Haikal, Mallazi Jara Fi Suria (Cairo, Maktba Tayyaf, 2014) 33

[11] ایضاً، 38

Ibid, 38

[12] الانقلابات العسکریہ، 39

13Elon, amos, herted, newyork: Holt,Rinehart and Winston, 23

[14] برہان غلیون، الدکتاتوریہ محنۃ الاسلام (اسکندریہ، المکتبہ الشاریہ، 2016ء) 98

Burhan Ghalyon, al Diktaturia Mihnat al Islam (Iskandria, al Maktaba al Sharia, 2016) 98

[15]مجلۃ عروہ التاج، الاستقلال الثانی نحو مبادرۃ الاصلاح السیاسی فی العالم العربی (العدد العاشر، المجلد 9، 2020ء) 150۔

Majalla Urwat al Taj, al Istiqlal al Sani Nahwa Mubadarail Isslah al Siyasi Fi al Alam al Arabi (Serial 10, V 9, 2020) 150

[16]عزمی بشارہ، سوریا درب الاحلام نحو الحریہ (بیروت، مکتبہ الشروق، 2018ء) 420۔

Azmi Bashara, Syria Darbul Ahlam Nahwal Hurria (Beirut, Maktaba al Shuruq, 2018) 420

17Sectarianism and Sectarian System in Syria,26

[18]ایضاً

Ibid

19Jermy Bowen, Surge in Arab Sectarian Violence After Arab Uprising BBC news 20 September, 2013

[20]برھان غلیون، المسالہ الطائفیہ وحالۃ الاقلیات (بیروت، مکتبہ الشروق، 2019ء) 31۔

Burhan Ghalyon, al Masal al Ta'ifiyya wa Halat al Aqalliyat (Beirut, Maktaba al Shuruq, 2019) 31

[21]عروہ التاج، الاستقلال الثانی نحو مبادرۃ الاصلاح السیاسی فی العالم العربی، 150۔

Urwat al Taj, al Istiqlaal, 150

[22]عزمی بشارہ، سوریا درب الاحلام نحو الحریہ، 420۔

23"Middle East Reconfigured Turkey vs, Iran vs, Saudi Arabia, CNN News, Sep 13, 2013

[24]برھان غلیون، المسالہ الطائفیہ وحالۃ الاقلیات، 25۔

Azmi Bashara, Syria Darbul Ahlam Nahwal Hurria, 25

[25]برھان غلیون، المسالہ الطائفیہ وحالۃ الاقلیات، 27۔

Burhan Ghalyon, al Masal al Ta'ifiyya wa Halat al Aqalliyat, 27

[26]محمد بوعزہ، الانقلابات العسکریہ فی سوریا، 73۔

Muhammad Bu Izza, al Inqalabat al Askria Fi Suria, 73

[27]ایضا، 36۔

Ibid, 36

[28]لزاوادین، السیطرہ الغامضۃ (بیروت، دار التراث العربی، 2020ء) 321

Lazwawin, al Saitara al Ghamiza (Beirut, Dar al Turas al Arabi, 2020) 321

[29]Rees Erlich, Inside Syria: The Backstory of Civil War ,179